Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اعجاز جو میز پر کہنیاں رکھے آگے جھک کر بات سن رہا تھا، طمانیت سے لبوں میں مسکرایا اور کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ دیر تک وہ اُسی طرح بیٹھا دروازے سے باہر دیکھتا ہوا، ہولے ہولے مسکرا کر مونچھوں پہ اُنگلیاں پھیرتا رہا، گویا اُس دُہری فتح کے لمحے کا لطف لے رہا ہو۔

اگلے ہی روز مختار ڈوگر دو حواریوں کے ہمراہ اعجاز کے دفتر آ پہنچا۔ "ملک اعجاز، میں آج تم سے دو دو باتیں کرنے آیا ہوں،" وہ کرسی پر بیٹھتے ہی بولا۔

"جی آیا نوں۔ ڈوگر صاحب، ہم یہاں اور کِس لِئے بیٹھے ہیں۔ باتیں سننے کے لِئے تو ہم ہروقت حاضر ہیں۔ پیغام بھیج دیتے، میں آ جاتا، تکلیف کیوں کی؟" اعجاز نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"یہ بتاؤ کہ جِس ظالم نے تجھے نکالا، ذلیل کیا، اُسی کی مدد کے لِئے تو اپنوں کے سامنے کھڑا ہو گیا ہے؟"

"آں۔ آں،" اعجاز نے ہاتھ اُٹھا کر اُسے روکا، "مختار تو نے ایک ساتھ دو سوال کر دیئے ہیں۔ پہلے تو یہ کہ میری فطرت کے اندر دِل میں کینہ رکھنے کی عادت نہیں۔ اُس وقت حالات کے مطابق اُس نے جو قدم اُٹھایا ٹھیک اُٹھایا، اور اب میں نے جو کیا درست کیا۔ دُوسرے یہ کہ کن اپنے لوگوں کے سامنے کھڑے ہونے کی میں نے جُرأت کی ہے؟"

مختار ڈوگر نے حیرت سے اپنے ساتھیوں کی جانب دیکھا جیسے اعجاز کی بات پہ اُسے یقین نہ آ رہا ہو۔ پھر وہ اپنا سیاہ رنگ، لمبے لمبے دانتوں والا بھاری چہرہ اعجاز کی طرف موڑ کر بولا، "ملک، تجھے پتا نہیں کہ اِس ظالم نے میرے یتیم بھتیجے کو نجیز فیل کر دیا ہے۔ وہ آج میٹرک کی تیاری کر رہا ہوتا، بچارا انانویں میں دھکے کھا رہا ہے۔"

"ملک مختار، یہ بات تو میں آج پہلی بار تم سے سن رہا ہوں۔"

"اور بیڈ کریکٹر بھی ہے۔ ہمارے پاس ثبوت ہیں۔ جو بچے اس سے ٹیوشن پڑھنے جاتے ہیں اُن کی گواہی ہے۔"

"یہ تو بعد کی باتیں ہیں، پہلی بات تو یہ ہے کہ مجھے اگر اِس بات کا علم ہوتا تو کیا مجھے سانپ نے کاٹا تھا کہ تیرے مخالف کوئی کام کرتا۔ میں نے اپنے تئیں ایک بوڑھے لاغر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آدمی کی مدد کے لِئے عرض بھیجی تھی، یونین والوں نے منظور کر لی، اُن کی مہربانی ہے۔"

مختار ڈوگر نے دوبارہ بے یقینی سے اَپنے ساتھیوں کو دیکھا۔ "ملک، تجھے واقعی علم نہیں تھا کہ میں نے یہ کام کروایا ہے؟"

"بالکل نہیں،" اعجاز نے نفی میں سر ہلا کر کہا۔ "کیوں منظور؟"

"ملک مختار صاحب، حاشا وکلا، یہ بات ہم آپ کے مُنہ سے سن رہے ہیں۔ ہمارے کان میں بھنک بھی پڑ جاتی تو ہماری کیا مجال تھی۔ ہم اَور آپ کوئی دو ہیں؟"

منظور نے ساتھ ہی چائے کی پیالی پیش کی۔

مختار ڈوگر ہاتھ ہِلا کر بولا، "ناں ناں، ملک اعجاز تیری چاء مجھے اُس وقت تک منظور نہیں جب تک تو اُس سُور کی مدد سے ہاتھ نہیں کھینچے گا۔"

اعجاز چند لحظے تک سیدھا مختار ڈوگر کو دیکھتا رہا۔ ظاہر ہوتا تھا کہ کسی فیصلے پر پہنچنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اصل میں وہ اِس لمحے کا لطف لے رہا تھا۔ اب کنٹرول اُس کے ہاتھ میں تھا۔

"ڈوگر صاحب، سارا معاملہ رابطے کا ہے۔ اگر رابطہ قائم رہے تو ممکن ہی نہیں کہ اَیسے واقعات ہُوں۔ آپ نے رابطہ توڑ دیا، کام غلط ہو گیا۔ اب تو جناب عرض یہ ہے کہ اصول کا معاملہ ہے، اَور اصول سے زیادہ عزت کی بات ہے۔ یہ یونین کے کام ہیں۔ آپ کا کام مختلف نوعیت کا ہے، ہمارا مختلف نوعیت کا۔ دونوں کاموں کی کارکردگی بھی مختلف خطوط پر اُستوار ہے۔ یونین کے کام اِس طرح نہیں چلتے کہ صبح ایک بات کرو اَور شام کو دوسری۔ اگر اَیسا ہو تو مل مالکان ہمیں ایک دِن میں کھا جائیں۔ اصل میں درست لائحہ عمل یہی ہے کہ آپ ہمارے کام میں دخل نہ دیں، ہم آپ کے کام میں دخل نہ دیں، بلکہ جہاں ضرورت پڑے دونوں ایک دُوسرے کی مدد کریں۔ یہ صرف رابطے کی بات ہے۔"

مختار ڈوگر معمولی پڑھا ہوا، سیدھا سادا آدمی تھا۔ ووٹ اُسے پارٹی کی بناء پر ملے تھے، اَور ٹکٹ برادری اَور لوگوں کے درمیان حسن سلوک کی وجہ سے دیا گیا تھا۔ اعجاز کی بات اُس کی سمجھ سے کچھ زیادہ طویل اَور پیچیدہ ہو گئی تھی۔ وہ بے سمجھی سے ایک منٹ تک اعجاز کو دیکھتا رہا، پھر بولا، "یہی تو ساری بات ہے ملک اعجاز، رابطہ ہی اصل چیز ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کیوں سردارے،" وہ اَپنے ایک ساتھی سے بولا، "عوام کے اندر رابطے کی وجہ سے ہی ہماری کامیابی ہُوئی ہے۔ کیوں، کوئی غلط بات ہے؟"

"بالکل درست فرمایا،" سردارا بولا، "رابطہ مہم ہی کامیابی کا راز ہے۔"

"ہم نے آپ سے کب رابطہ توڑا ہے ملک؟" ڈوگر نے پُوچھا۔

اب اعجاز نے محسُوس کیا کہ مختار ڈوگر اُس کی مٹھی میں تھا۔ اُس نے ٹیک لگا کر کرسی پر اَپنا جسم پھیلایا۔ "توڑا کیوں نہیں۔ اِس جلسے کی مثال ہی لو جو ہونے والا ہے۔ میں نے کوئی دس آدمی تمہارے پاس بھیجے ہیں تاکہ کچھ معلومات حاصل ہوں اَور مل جل کر اِنتظام کریں، جیسے پچھلے جلسے کا کیا تھا۔ مگر تمہاری طرف سے ایک کا بھی جواب نہیں آیا۔"

"میرے پاس تیرا ایک بندہ نہیں آیا۔ کیوں سردارے، ملک اعجاز کا کوئی بندہ تمہارے پاس آیا ہے؟"

"نہیں جناب،" سردارے نے جواب دیا، "ہمارے پاس کوئی پیغام پہنچتا تو ہم جواب دیتے۔ ہمیں کوئی خواب تو نہیں آئی تھی؟"

"میرا ایک آدمی باقر علی شاہ سے مل کر آپ کے نام پیغام چھوڑ کے آیا،" اعجاز نے کہا۔

"باقر شاہ کے پاس؟" مختار ڈوگر کرسی سے اُچھل پڑا۔ پھر معنی خیز انداز میں آنکھیں پھیلا کر اَپنے دونوں ساتھیوں کو دیکھ کر، ہاتھ ماتھے پہ مار کر بولا، "دیکھا؟ اب پتا چلا ناء کہ بات کیا ہے۔" اُس کے ساتھیوں نے سَر ہِلا کر اتفاق کیا۔ پھر مختار اعجاز کی جانب مڑا اَور اُنگلی چھت کی جانب اُٹھا کر بولا، "ملک، خُدا حاضر ناظر ہے، باقر شاہ نے مجُھ سے ایک بات نہیں کی۔"

کمرے میں اعجاز، منظور، مختار ڈوگر اَور اُس کے ساتھیوں کے علاوہ کوئی نہ تھا۔

"بھائی منظور،" مختار ڈوگر نے ہیجانی اَنداز میں بازو ہِلا کر دروازہ بند کرنے کا اشارہ کیا۔ منظور نے اعجاز کی طرف دیکھا۔ اعجاز نے سَر کے اشارے سے اس کی تائید کی۔ جَب منظور دروازہ بند کر چکا تو مختار ڈوگر آگے جھک کر رازداری سے بولا، "ملک اعجاز، آپس کی بات ہے، آپس میں رہے۔ باقر شاہ میری مخالفت کر رہا ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہیں؟" اعجاز نے مبالغہ آمیز دلچسپی ظاہر کی۔

"ہاں۔ ہمارے پاس ثبوت ہے۔"

"مگر کیسے؟" اعجاز نے پُوچھا۔

"میرے خلاف لوگوں کو بھڑکاتا ہے۔ کہتا ہے میں پارٹی کے لِئے نقصان دہ ہوں۔ بَیٹھا رہتا ہوں۔ کام نہیں کرتا، وغیرہ۔ اَور خُود لوگوں کو میرے تک پہنچنے نہیں دیتا۔ اُس نے حکم دے رکھا ہے کہ کام کروانے کے لِئے سب اُس کے پاس آئیں۔"

"یہ بات سچ ہے؟" اعجاز نے حیرت سے پُوچھا۔

"ہمارے پاس ثبوت ہیں۔ سردار قرآن اُٹھاتا ہے۔ کیوں سردارے؟"

"بالکل جی، میں قرآن اُٹھانے کو تیار ہُوں۔"

"کس بات پر؟" اعجاز نے پُوچھا۔

سردارے نے بے سمجھی سے مختار ڈوگر کو دیکھا۔ مختار ڈوگر بولا، "اوئے بتا ناں کہ تو نے اَپنے کانوں سے سنا ہے۔"

"میں نے خُود اَپنے کانوں سے سنا ہے۔ میں قرآن اُٹھانے کو تیار ہوں،" سردارے نے کہا۔

"مگر کیوں؟" اعجاز نے پُوچھا۔

"ہیں جی؟"

"کس وجہ سے وہ مخالفت کرتا ہے؟"

"بس، اللہ واسطے کا بیر ہے،" مختار ڈوگر بولا، "اُس کا خیال ہے کہ اِس علاقے میں سیدوں اَور کشمیریوں کا راج ہونا چاہیے۔ کہتا ہے ڈوگروں کا علاقہ باذر کے ساتھ ہے۔ وہ اُدھر جا کر سمگلنگ کرتے رہیں، سیاست سے اُنکا کیا تعلق ہے۔"

"چھوٹا آدمی ہے جی،" سردارے نے کہا۔ "دکانداری سے اُٹھا ہے۔ اَیسا آدمی اَور کیا کرے گا۔ مَلک مختار کی تو جدی پشتی آڑھت ہے۔ سب عزت کرتے ہیں۔"

"یہ تو ٹھیک بات نہیں،" اعجاز نے تشویش سے کہا۔ "اَیسے آدمی کی تو رپورٹ ہونی چاہیے۔ جب اِتحاد ہی نہ رہا تو پارٹی کہاں کی اَور سیاست کہاں کی؟"

"بالکل،" مختار ڈوگر بولا، یہی تو میں بھی کہتا ہُوں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"خیر،" مجھے آج خبر ہو گئی ہے۔ ہم بھی اپنی طرف سے پتا نکالیں گے۔ تم میرے ساتھ مستقل رابطہ رکھو ڈوگر صاحب۔ اگر بات یہی نکلی کہ باقر شاہ ٹھیک آدمی نہیں ہے تو پھر یہ مزید ضروری ہو جاتا ہے کہ ہمارا آپس میں اتحاد رہے۔ اسی میں کامیابی ہے۔ گندے انڈوں کو نکال کر باہر پھینکا جا سکتا ہے۔ جلسہ آنے دو، اگر باقر شاہ کے یہی چلن رہے تو ہم اپنا جلوس لے کر جائیں گے، اور اُس کے آگے مختار ڈوگر کھڑا ہو گا۔ دیکھ لیں گے باقر شاہ کتنے بندے لے کر جاتا ہے۔"

"واہ جی واہ، سبحان اللہ۔ بات ہوئی ناء۔" سردارے نے کہا۔

اِسی ہیجان میں مختار ڈوگر نے اپنے آگے رکھی ہوئی چائے کی پیالی اُٹھا کر پینی شروع کر دی۔ جیسے ہی اُس نے پیالی لبوں سے لگائی، سردارا اور اُس کا ساتھی اپنی پیالوں کی جانب لپکے۔ سردارے کی چائے میں ایک مکھی تیر رہی تھی۔ اُس نے چھوٹی اُنگلی سے مکھی نکال کر باہر پھینکی اور دو گھونٹ میں پیالی خالی کر دی۔

"یہ تو ملک اعجاز کی مہربانی ہے،" مختار ڈوگر پیالی میز پر رکھ کر بولا، "وقت پر معاملہ پکڑ لیا۔ ورنہ باقر شاہ نے تو رخنہ ڈال دیا تھا۔"

"اِسی کا نام سیاست ہے ڈوگر۔ آگے آگے دیکھو ہوتا ہے کیا۔ بس حوصلہ نہ ہارو۔ آنکھیں اور کان کھلے رکھو۔ سب سے بڑی بات یہ ہے۔"

کچھ دیر کے بعد مختار ڈوگر خوشی خوشی اعجاز سے ہاتھ ملا کر رخصت ہوا۔

اُس رات کو اعجاز گھر لوٹا تو اپنی دُہری تہری کامیابی پر پھولا ہوا تھا۔ یہ سوچ کر کہ اُس نے مختار ڈوگر کو باقر شاہ کے چکر میں ایسے ڈالا تھا کہ وہ چیمے کی بات کو بھول ہی گیا تھا اعجاز کے لبوں پر بار بار مسکراہٹ اُٹھ رہی تھی۔ جب وہ سونے کے لیے بستر پر لیٹا تو اُس کا بدن پھیل کر تنا ہوا تھا۔

"اِدھر آ۔۔۔۔" اُس نے سکینہ سے کہا۔

سکینہ اُس کا مقصد جان کر پیچھے ہٹ گئی۔ "اُوں ہوں،" اُس نے سر ہلا کر کہا۔

"کیوں تجھے پھر کپڑے آ گئے ہیں؟"

"اُوں ہُوں۔"

"پھر کیا بات ہے جو گونگوں کی طرح سر ہلاتی جا رہی ہو۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میرا دِل نہیں کرتا" سکینہ بولی۔

"دِل نہیں کرتا؟" اعجاز نے حیرت سے پُوچھا۔ "تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے؟"

"ہاں، چار پہر جاگ جاگ کر دماغ نہیں تو اَور کیا خراب ہو گا؟ زمین کو کون دیکھتا ہے؟ شکُر کرو پکی پکائی مل جاتی ہے۔ میری ہڈیاں تھکاوٹ سے ٹُوٹ رہی ہیں، تمہارے اُوپر شیطان سوار ہے۔"

یہ پہلی بار تھی کہ سکینہ نے صاف انکار کر دیا تھا۔ اُس نے کوئی بہانہ لگانے کی ضرورت بھی محسُوس نہ کی تھی۔ مگر اُس کا لہجہ اَیسا تھا کہ اعجاز کا غصہ ایک لحظے کو بھڑک کر دب گیا۔ پھر اُس نے بات کو مذاق میں ٹالنے کی کوشش کی۔

"کفر کا کلمہ نہ بول۔ میاں بیوی کے تعلق پر شیطان کا نام رکھنے والا گناہگار ہوتا ہے۔ اپنی بیوی جی سے پُوچھ لینا۔"

"تُم جو مہینے مہینے کے تھکے ہُوئے آتے ہو اَور بیہوش ہو کر سو جاتے ہو، کبھی میرا حال بھی پُوچھا ہے؟ بیوی کے بھی حق ہوتے ہیں۔"

"چل چپ کر۔ تُو تو سارا مزا ہی کرکرا کر دیتی ہے۔"

"مزہ تو اللہ جانے تم شہر میں کہاں کہاں لیتے پھرتے ہو۔ پھر کوئی مصلن مل گئی ہو گی۔"

اعجاز اَیسے چونکا کہ لیٹا لیٹا اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ "یہ تجھ سے کِس نے کہا؟"

"کیوں، میری آنکھیں اَور کان نہیں ہیں؟"

"تیری آنکھیں اَور کان میرے اُوپر تہمتیں لگانے کے لِئے ہیں؟"

"ایک جھوٹ کو چھپانے کے لِئے سو جھوٹ نہ بول۔ تیرے کرتوت میں جانتی ہوں۔ ساری دُنیا جانتی ہے۔ جھنگیر کے منشی سے لے کر گل افروز تک سب جانتے ہیں۔"

سکینہ "تم" سے "تو" پر یا پیار میں آتی تھی یا سخت غصے میں۔ اعجاز نے اُس کے تیور پہچان لِئے تھے۔ وہ دوبارہ لیٹ گیا۔

"تیرے کان کچے ہیں، دشمنوں کی باتیں سن کر مچلی جاتی ہے۔ تجھے کان بند رکھنے کی ضرورت ہے۔"

"مجھے کوئی ضرورت نہیں۔ میرے لال جیتے رہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک لمحے کو اعجاز کے دِل میں خیال آیا کہ اُس نے سکینہ کو گھر سے نکلنے کی اجازت دے کر غلطی کی تھی۔ مگر اب وقت گزُر چکا تھا۔ گھر اَور باہر کا سارا کاروبار سکینہ کے ہاتھ میں تھا، اَور خُود اعجاز کو اَپنے کاموں سے فرصت نہ تھی۔ اُس نے خاموشی میں خیریت جانی اَور ناگواری سے مُنہ موڑ کر آنکھیں بند کرلیں۔ بند آنکھوں کے پیچھے اُس نے اَپنی دِن بھر کی فتح و نصرت پہ خیال جمایا اَور ایک خوشگوار نیند کا اِنتظار کرنے لگا۔

رُت بدلی تو منظر ہی بدل گیا۔ موسم بہار آ لگا تو مُلک کے مشرقی حِصّے میں ملٹری ایکشن شُروع ہو چکا تھا۔ شہر میں خوشیاں منائی جا رہی تھیں۔ اِسی دوران جلسے کا موقعہ بھی آ گیا۔ دو ماہ قبل مختار ڈوگر کی اعجاز کے ساتھ ملاقات کا حال جلد ہی باقر علی شاہ کے کانوں تک پہنچ گیا۔ چند روز چھوڑ کر باقر علی شاہ بھی اعجاز کے دفتر میں آوارد ہوا تھا۔ اعجاز بڑے تپاک سے اُسے ملا۔ باقر علی شاہ اکیلا آیا تھا۔

"منظور،" اعجاز نے آواز دی۔ "جا شاہ صاحب کے لِئے نمبر ون چاء بنوا کے لا۔"

باقر علی شاہ نے ہاتھ اُٹھا کر منظور کر روک دیا۔ "سارا دِن چائے پیتے پیتے گزُر جاتا ہے۔ میری تو انتڑیاں خراب ہو گئی ہیں۔"

"جا پھر بوتل لے کر آ۔۔۔۔"

"تکلیف کی کوئی ضرورت نہیں مَلک صاحب،" باقر علی شاہ مخاطب ہوا۔ اُس کی اعجاز سے ایسی بے تکلفی نہ تھی جیسی مختار ڈوگر کی تھی، جِس کے اعجاز کے ساتھ آڑھت کے سلسلے میں پُرانے تعلقات تھے۔ "ٹھنڈے پانی کا گلاس دے دو۔"

"نئیں نئیں۔ جا بوتل لے کر آ، کھڑا مُنہ کیا دیکھ رہا ہے۔"

"مَلک صاحب،" باقر علی شاہ بولا، "یہ میں کیا سن رہا ہُوں۔"

"کیا سن رہے ہیں شاہ صاحب۔ کچھ ہمیں بھی بتائیں۔" اعجاز نے کہا۔

"یہی کہ مختار ڈوگر میرے خلاف باتیں کرتا پھر رہا ہے۔ سنا ہے یہاں بھی آیا تھا۔"

"چوہدری مختار دو چار دِن پہلے آیا تو تھا۔ ایک سکُول ماسٹر کا معاملہ تھا۔ مجُھے یاد نہیں پڑتا کہ کوئی آپ کا ذکر آیا ہو۔"

"ہو سکتا ہے میری اطلاع غلط ہو۔ بہرحال، قصہ یہ ہے مَلک صاحب کہ مختار ڈوگر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میرا جونیئر ساتھی ہے۔ ہے کہ نہیں؟"

"بالکل ہے۔ آپ قومی حلقے کے نمائندے ہیں۔ آپ کے دو ایم۔پی۔اے ہیں، ڈوگر اور رفاقت شاہ۔"

"تو کیا ڈوگر پر واجب نہیں آتا کہ مجھے مناسب عزت دے؟"

"کیوں نہیں۔ بالکل آتا ہے۔"

"رفاقت شاہ کو دیکھیں، ہر ایک معاملہ میرے ساتھ ڈِسکس کرتا ہے، میرے مشورے کے بغیر قدم نہیں اُٹھاتا۔ اس کے برعکس ڈوگر نے آج تک کسی بات میں میری رضامندی طلب نہیں کی۔ شروع دِن سے اپنا گروپ بنا کر بیٹھا ہوا ہے اور اِسی کوشش میں رہتا ہے کہ میرے بندے کھینچ کر اپنے گروپ میں شامل کرلے۔ کئی مرتبہ اُس نے میرے بارے میں غلط سلط خبریں پھیلائی ہیں۔ یہ حلقے کے لِئے کوئی اچھی بات ہے؟"

"یہ تو بہت بری خبر سُنائی آپ نے شاہ صاحب۔ حلقے کے لئے، بلکہ پارٹی کے لِئے اس سے بُری خبر اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ آپس کی بات ہے، ڈوگر کی تو تعلیم وغیرہ بھی ہلکی ہی ہے۔ آپ تو ماشاء اللہ پڑھے لکھے آدمی ہیں، آپ کو علم ہو گا کہ دنیا کی بڑی بڑی تحریکیں صرف نااتفاقی کی وجہ سے فیل ہو گئیں۔"

باقر علی شاہ کرسی پر پھیل کر بیٹھ گیا اور سامنے رکھی ہُوئی کوکا کولا کی بوتل اُٹھا کر پینے لگا۔ "آپ نے بالکل درست فرمایا، نااتفاقی بری بلا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ وہ مجھ سے حکم لے، آخر وہ بھی عوام کا منتخب نمائندہ ہے۔ لیکن کم از کم رُتبے کے لحاظ سے مجھے مناسب عزت احترام تو دے۔ آپ کی ساری عمر اِسی کام میں گزری ہے، آپ کو علم ہے کہ ایک دُوسرے کے مقام کا خیال نہ رکھا جائے تو سارا سسٹم ہی فیل ہو جاتا ہے۔ ہوتا ہے کہ نہیں؟"

"سسٹم کیا شاہ صاحب، تانا بانا ہی بکھر جاتا ہے۔ اِس بات کا اِن لوگوں کو علم نہیں ہے۔ بہرحال، اِس کا کوئی بندوبست تو ہونا ہی چاہیئے۔ میرے خیال میں تو آپ کو ان باتوں سے بالاتر رہنا چاہیئے۔ آپ کی پوزیشن ایسی نہیں کہ اِن قضیوں میں پڑیں۔ آخر ہم چھوٹے لوگ کِس لِئے یہاں بیٹھے ہیں؟" اعجاز کی بات کا اثر خاطر خواہ ہوا تھا۔ جب باقر علی شاہ بولا تو فرطِ جذبات سے اُس کی آواز رندھی ہُوئی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"واہ ملک صاحب، آپ کیسی بات کرتے ہیں۔ میں تو عوام کا خادم ہوں، اور سب سے پہلے میں آپ کا خادم ہوں۔"

"یہ آپ کی کسر نفسی ہے شاہ صاحب، ورنہ کون آپ کے کام کو نہیں جانتا۔ پانی کی سبیلیں، افتتاحی جلسوں میں آپ کی خدمات پیش پیش، تاجر طبقہ ہو یا تھانہ، سب کے ساتھ آپ کے تعلقات، ہر دوسرے دِن اخباروں میں آپ کی تقریریں، تصویریں، جتنے رفاہی کام آپ نے چند مہینوں میں کئے ہیں ہم نے ساری عمر میں نہیں کئے۔ ہم تو آپ کے کارندے ہیں۔ آپ کو کسی تردد کی ضرورت نہیں۔ یہ کام آپ مجھ پہ چھوڑیں۔ میں ذوگر کو الگ لے جا کر ذرا کھینچتا ہوں، اُس کا کیڑا نکالتا ہوں۔ فکر نہ کریں۔ ویسے مختار ذوگر آدمی برا نہیں۔۔۔۔"

"میں کب کہتا ہوں،" باقر شاہ بات کاٹ کر بولا۔ "اصل میں اُس کے اذوائیزر خراب ہیں۔"

"بالکل یہی بات میرے دِل میں بھی تھی۔ میں اُس کے اذوائیزروں کے کان بھی مروڑتا ہوں۔ ایسے لوگوں کو درست کرنے کا طریقہ مجھے آتا ہے۔ بس آپ میرے ساتھ رابطہ رکھیں۔ اب بڑا جلسہ بھی آ رہا ہے۔ اشد ضروری ہے کہ ہم سب اِتحاد کا مظاہرہ کریں۔ اِس کے لئے فل رابطہ رکھنا بے حد ضروری ہے۔"

"آپ ہمارے لیڈر ہیں ملک صاحب،" باقر علی شاہ اعجاز کے آگے بچھ گیا۔ "جیسے آپ کہیں ویسے ہی ہو گا۔"

آٹھ دس روز کے اندر، اِسی طرح کی مہم چلا کر اعجاز نے دونوں کی صلح کرا دی۔ اعجاز کے بند دفتر کے اندر گلے شکوے ہوئے، اور وہیں پر باقر علی شاہ اور مختار ذوگر آخر میں اُٹھ کر گلے مل لئے۔ جب جلسے کے لِئے حلقے کا جلوس چلا تو اگلے رُک پر باقر علی شاہ، مختار ذوگر اور رفاقت شاہ کے ساتھ اعجاز بھی کھڑا تھا۔ شہر کے ہر کونے سے مختلف جلوس، ڈھول ڈھمکوں کے ساتھ، ناچتے گاتے ہوئے مردوں عورتوں کے ہمراہ، مانگے تانگے ہوئے رُکوں، ریہڑوں، گدھا گاڑیوں، رکشاؤں اور تانگوں کے ساتھ ایک ہی سمت کو چلے جا رہے تھے۔ پیچھے پیچھے پیدل چلنے والوں کی ایک فوج تھی۔ ان سب کا رُخ گول باغ کی جانب تھا۔ اعجاز کا جلوس شہر کے سب سے دُور دراز حصے سے چلا تھا۔ اُس نے تقریباً سارے شہر کو پار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کر کے اپنی جائے مقام تک پہنچنا تھا۔ چنانچہ وہ جگہ جگہ پر رُک کر چل رہا تھا۔ جہاں پر جلوس رُکتا، زور شور سے نعرے لگنے شروع ہو جاتے۔ جلوس کو دیکھنے والے مقامی لوگ سڑک کے کنارے کھڑے، جوش میں آ کر نعروں میں شامل ہو جاتے۔ فاصلے فاصلے پر پانی کی سبیلیں لگی تھیں جہاں لوگ ہاتھ کا چلو بنا کر پانی پیتے، مُنہ پر گیلے ہاتھ پھیر کر تازہ دم ہوتے، ریڑھی والوں سے پکوڑے اور دہی پھلکیاں خرید کر کھاتے جا رہے تھے۔ سڑکوں پر ٹریفک رُکا کھڑا تھا۔ پولیس کی نفری ہر طرف نظر آ رہی تھی۔ معلوم ہوتا تھا سارے ضلعے کی پولیس شہر کی سڑکوں پر جمع ہو گئی ہے۔ مگر بیشتر جلوس پُرامن تھے۔ لوگ ہنس کھیل رہے تھے، تالیاں بجاتے اور ناچتے ہوئے چلے جا رہے تھے۔ ساتھ ساتھ گرد کا طوفان اُٹھ رہا تھا۔

گول باغ کے اندر، جس کا نام ناصر باغ رکھا جانے والا تھا، لوگوں کی ایسی بھیڑ تھی جیسی صبح سویرے سبزی منڈی میں ہوتی ہے۔ پسینے سے تربدن ایک دُوسرے سے رگڑ کھا رہے تھے۔ شہر کے مختلف حلقوں اور نواح کے دیہات سے ڈھولوں، باجوں اور طوطیوں والے جلوس ایک کے بعد ایک باغ میں آ آ کر جمع ہو رہے تھے۔ دھکم پیل کا ایک عالم تھا کہ ہر آدمی آگے ہی آگے نِکل کر سٹیج کے قریب تر ہونا چاہتا تھا۔ ہر طرف ایک بھگدڑ رچی تھی، مگر ایسی بھگدڑ کہ جس کے اندر لوگ بھاگنے دوڑنے کی بجائے اپنی جگہ پر ہراساں کھڑے ہل جل رہے تھے۔ اعجاز کا جلوس وسط تک پہنچ کر رُک گیا۔ آگے کندھے سے کندھا اور پیٹھ سے پیٹھ جوڑے آدمیوں کے پشتے لگے تھے جیسے پکی دیواریں ہوں۔ سٹیج پر ایک داڑھی مونچھ منڈا آدمی مائیکروفون پہ کھڑا ہاتھ ہِلا ہِلا کر تقریر کر رہا تھا جس کا ایک لفظ مجمعے کے شور کی وجہ سے سمجھ میں نہ آ رہا تھا۔ وہ سر سے مکمل گنجا تھا، جس کی وجہ سے اُس کا ٹنڈ منڈ چہرہ معمول سے زیادہ واضح طور پر دکھائی دے رہا تھا۔ ہجوم کی گرمی لوگوں کے سروں کو چڑھ رہی تھی۔

"شاہ جی،" اعجاز اپنے ساتھ کھڑے باقر علی شاہ سے مخاطب ہو کر بولا، "یہ کام خراب ہے۔ آگے نِکلنے کا کوئی رستہ ملنا چاہئے۔"

"ضرور ملنا چاہئے ملک صاحب۔ میں قومی اسمبلی کا منتخب نمائندہ ہوں۔ منتظمین کو مجھے مناسب عزت دینی چاہئے۔"

اعجاز نے ایڑیاں اُٹھا کر چاروں طرف نظر دوڑائی۔ "منتظمین بھی دراصل آپ ہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی طرح اسمبلیوں کے ممبر ہیں، کوئی آسمان سے نہیں اُترتے۔ لیکن سب اندرون شہر کے مہاجے گامے ہیں جو معتبر بنے ہُوئے ہیں، اپنے اپنے حواریوں کو سٹیج کے آگے کھڑا کر رکھا ہے۔ دیکھیں میں کچھ کرتا ہُوں۔ آپ اور ڈوگر صاحب اور رفاقت شاہ یہیں پر جم کر کھڑے رہیئے۔ اپنی جگہ نہ گنوایئے۔"

اعجاز کو ایک طرف چند پست قد لوگ کھڑے ہُوئے نظر آ گئے تھے، جہاں سے اُس نے اندازہ کیا کہ پچھلی جانب سے شائد سٹیج پر پہنچا جا سکتا تھا۔ اِس مُہم میں اُسے آدھ گھنٹہ لگ گیا، مگر وہ آخر اپنی مطلوبہ جگہ پر پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ وہاں اُس نے ایک چھوٹی چھوٹی سیاہ مونچھوں والے نوجوان کو جا پکڑا، جو منتظمین میں سے دکھائی دیتا تھا۔

"جنابِ عالی،" اعجاز نے اُسے ایک ماہر یونین لیڈر کے لہجے میں مخاطب کیا۔ "ہمارے حلقہ نمبر اٹھاسی کے ممبر قومی اسمبلی اور دو ممبران صوبائی اسمبلی پیچھے ہجوم کے اندر پھنسے کھڑے ہیں۔ اُن کا مطالبہ ہے کہ اُنہیں سٹیج پر لایا جائے، ورنہ وہ اپنا دو ہزار کا جلوس لے کر واپس جا رہے ہیں۔"

نوجوان نے آنکھیں پھیلا کر اُسے دیکھا۔ اندر ہی اندر وہ اعجاز کی بات کے وزن کا تعین کر رہا تھا۔ جب اعجاز نے اُس کی نظر کے سامنے آنکھ نہ جھپکی تو نوجوان بولا، "ایم۔این۔اے اور ایم۔پی۔اے صاحبان کے نام کیا ہیں؟"

اعجاز نے نام بتائے۔ نوجوان نے جھک کر زمین سے ایک اِشتہار اُٹھایا، اُسے جھٹک کر مٹی صاف کی اور اُس کی پشت پر پنسل سے نام لکھے۔

"او غیاثے،" اُس نے ایک دُوسرے نوجوان کو آواز دی۔ "کوئی بِلّے ہیں؟"

"ہاں میاں صاب، لے لیتا ہُوں۔"

"تین چار بِلّے لے جاؤ۔ اِن صاحبان سے کہو لگا لیں اور اُنہیں آگے لے آؤ۔"

اعجاز اُس نوجوان کے ساتھ واپس گیا، اور تھوڑی ہی دیر میں وہ تینوں ممبران اور حلقے کے دو تین مزید معززین کے ہمراہ سٹیج کے سامنے کھڑا تھا۔

"بڑا کام دکھایا ملک صاحب،" مختار ڈوگر نے تعریفاً کہا۔ "کیا عمل پڑھا تھا؟"

"کچھ بھی نہیں،" اعجاز ہنس کر بولا، "میں نے سیدھا جا کر کہا کہ میرے ممبران اسمبلی کو سٹیج پر بٹھاؤ ورنہ ہم واپس جا رہے ہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"سٹیج کے اُوپر؟"

"ہاں، قائد کے ساتھ۔"

"واہ یہ تو بڑی بات مانگ لی۔"

آپ کو اِن باتوں کا پتا نہیں شاہ صاحب۔ یہ رمزیں ہم یونین والے ہی جانتے ہیں۔ توپ مانگو تو تلوار ملتی ہے۔"

سٹیج کے پیچھے ہلچل مچی، نعرے بلند ہوئے، اَور اچانک ڈائیس پر اُن کا لیڈر نمودار ہوا۔ وہی عام سا شلوار قمیض کا لباس، پاؤں میں چپلی، قمیض کے کف کھلے۔ اُس نے اپنے مخصوص انداز میں دونوں ہاتھ ہوا میں بلند کر کے تالی بجائی، پھر بازو کھول دیئے، جیسے سارے جہان کو خوش آمدید کہہ رہا ہو۔ قمیض کی آستینیں ڈھلک گئیں اَور کہنیوں تک بازو ننگے ہو گئے۔ ہجوم میں ایک غلغلہ بلند ہوا۔ نعرے بند ہوئے تو تالیاں بجنے لگیں، تالیاں رُکیں تو پھر نعرے شروع ہو گئے۔ کئی منٹ تک اِسی طرح شور مچا رہا۔ پھر لیڈر نے ہاتھ اُٹھا کر مجمعے کو خاموش ہو جانے کا اشارہ کیا۔ غل اِس طور سے تھما جیسے ایک مہیب الجثہ جانور کے آخری دم نکلتے ہوں۔ ہجوم آخری بار جھرجھرایا اَور خاموش ہو گیا۔ لیڈر نے دو چار لفظ ہی کہے ہونگے کہ مائیکروفون بند ہو گیا۔ لیڈر بولتا چلا گیا۔ مجمعے سے آوازیں اُٹھنے لگیں، "آواز---- آواز----" پہلے ایک، پھر دو اَور آدمی آ کر مائیکروفون سے چھیڑ چھاڑ کرنے لگے۔ چند سیکنڈ میں وہ چالو ہو گیا، مگر اب اُس میں آواز پھٹی پھٹی نکلنے لگی تھی۔ عقب سے ایک آدھ بار "آواز--- آواز---" کی صدا اُٹھی، مگر جب دیکھا کہ لیڈر اپنی روانی میں بولتا جا رہا ہے، تو خاموشی چھا گئی۔

لفظوں کی کوئی حقیقت نہ تھی۔ سن سینتالیس کے بعد یہ پہلا لیڈر آیا تھا جو خواہ کسی زُبان میں بولتا، لوگ صرف اُس کی آواز سننے اَور شکل دیکھنے کی خاطر مُنہ کھولے کھڑے ہو جاتے تھے۔ اُس کے وجود کو اَپنے مقابل پا کر لوگوں کی غربت کے داغ اُن کے دِل سے دُھل جاتے اَور ان کے اندر توقعات کا طوفان اُٹھ کھڑا ہوتا تھا۔ یہ لوگ اُس شخص سے ہر لحظہ کسی اَیسے معجزے، کسی کرامت کی توقع رکھتے تھے جس کی رونمائی سے اُن کی زندگیاں بدل جائیں گی۔ اِس شخص کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ اِتنا بڑا جاگیردار ہو کر غریبوں کی جھونپڑیوں میں جا کر اُن کے ساتھ کھاتا پیتا اَور زمین پر سوتا رہا تھا۔ اِن باتوں نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اُسے اِس قوم کے اندر فقیری کا درجہ دے دیا تھا۔ اعجاز بھی مسحور کھڑا، اُس کے لفظوں سے بے نیاز، اُس کے ہاتھوں کے اِشارے، اُس کی تقریر کے اَنداز کو دیکھ رہا تھا اَور وقت وقت پہ نعرے لگاتا جا رہا تھا۔ اِس کربل کربل کرتے مجمعے میں زندگی کی توانائی دوڑتی پھر رہی تھی۔

پھر اچانک مائیکروفون کا نقص رفع ہو گیا اَور آواز صاف ہو گئی۔ "یہ ایک مداری ہے،" لیڈر کہہ رہا تھا، "اس کے پاس مداریوں کی کئی ٹوپیاں ہیں۔ ایک ٹوپی پریذیڈنٹ کی ہے۔ پھر اُسے اتار کر چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کی ٹوپی پہن لیتا ہے۔ جَب ضرورت محسُوس کرتا ہے تو اُسے اتار کر پھینک دیتا ہے اَور کمانڈر انچیف کی ٹوپی پہن لیتا ہے۔ اِس کے پاس ایک سیاست دان کی ٹوپی بھی ہے۔ جَب اُسے پہنتا ہے تو انتقالِ اقتدار کی ٹال مٹول کرنے لگتا ہے۔ جَب یہ سیاست دان بنتا ہے تو پھر کیا کہتا ہے؟ پھر کہتا ہے انتقالِ اقتدار، ٹال مٹول۔" یکدم لیڈر نے دونوں ہاتھوں سے تالی بجائی اَور لے میں کہنا شُروع کیا، "اِنت---- قال---- اق---- تدار---- ٹال----" ساتھ ہی ساتھ وہ اَپنے پاؤں پہ چاروں طرف گھُوم گیا، جیسے کوئی مست قلندر ہو۔

دیکھتے ہی دیکھتے لوگوں نے اَلفاظ اُس کے مُنہ سے اُچک لِئے اَور اُس کی نقل میں گھُوم گھُوم کر گانے لگے، "اِنت---- قال---- اِق---- تدار---- انت---- قال---- اق---- تدار----" ڈھول جو خاموش ہو چکے تھے دھمادھم بج اُٹھے۔ مجمعے میں لوگوں نے تالیاں بجا کر گھُومتے اَور یہی گِردان کرتے ہُوئے کئی چکّر کاٹے، جیسے کسی لمبی چوڑی مشین میں نصب ہزاروں پِھرکیاں ایک ساتھ چل رہی ہُوں۔ کسی کو یہ علم نہیں تھا کہ لیڈر نے یہ اَلفاظ کس ضمن میں بولے تھے، کہ وہ ایک دُوسرے شخص کے اَلفاظ کو دُہرا کر اُس کا مذاق اُڑا رہا تھا۔ مگر ہجُوم اَپنے تئیں ایک مطالبے کی صورت یہ اَلفاظ پکار رہا تھا۔ کچھ دیر کے بعد جَب لیڈر نے محسُوس کیا کہ لوگ منتقلیِ اِقتدار کا مطالبہ کر رہے تھے تو وہ بھی پلٹ کر ہجُوم کے ساتھ شامل ہو گیا، گو اُس کا پلٹنا کسی نے نہ دیکھا اَور نہ محسُوس کیا، کہ اَلفاظ بھی وہی تھے، حرکات بھی وہی اَور سُر اَور لے بھی وہی تھی۔ اعجاز گو اِس سارے عمل میں شامل تھا، مگر ایک خیال کو وہ اَپنے دِل میں آنے سے نہ روک سکا، کہ کیا سیاست انہی غلط فہم خطوط پر استوار ہوتی ہے؟

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

باب 13

"یہ باتیں پریس میں نہیں آ رہیں۔ بلیک آؤٹ ہے؟" جمیل نے کہا۔

جمیل سلہٹ میں بیمار پڑ گیا تھا۔ وہاں سے اُسے واپس بھیج دیا گیا تھا۔ سرفراز ہسپتال میں اُس کے پاس بیٹھا اُس سے باتیں کر رہا تھا۔

"سنا ہے اِیویکوایشن میں کافی پرابلم ہو رہی ہے،" سرفراز نے موضوع تبدیل کرنے کی خاطر کہا۔

"ہاں۔ ایئر سپورٹ ویسے ہی کم ہے۔ ڈار کو جانتے ہو؟ اِسحاق ڈار، بی کمپنی والا؟ ڈائیریا اَور ڈِسنٹری سے ایک ہفتے تک ادھ مُوا پڑا رہا۔ ہم تو سمجھے تھے ہی اِز اے گوئینگ کیس۔ مگر آخری وقت پہ لفٹ کر لیا گیا۔"

سرفراز سے جہاں تک ہو سکا اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا۔ مگر اُس کے اندر ایک ابتری کی صورت پھیلتی گئی۔ آخر وہ پُوچھنے سے نہ رہ سکا۔

"جمیل، یہ جو باتیں تم نے بتائی ہیں۔"

"ہاں۔"

"سنی سُنائی تو نہیں؟"

"آر یُو کریزی؟ میں ایسی بات سن سُنا کر کروں گا؟"

"تُم نے خُود دیکھا ہے؟"

"لک ہیئر ایم ایس، آئی ایم لائیل تو مائی کنٹری، اَینڈ ٹو مائی سروس،" جمیل نے جوش میں آ کر کہا۔ "سرفراز نے تنبیہہً ہاتھ اُٹھایا تو وہ آواز ہلکی کر کے پھنکارتی ہوئی سرگوشی میں بولا، "پریگننٹ وومن بے نٹڈ، ہاف دا بے بی ہینگنگ آؤٹ آف ہر گٹ۔"

"اوکے اوکے، آئی گیٹ اِٹ۔ چپ رہو۔ آئی ایم سوری۔"

سرفراز کو اُبکائی آ رہی تھی۔ جمیل، جو کہنی کے بل اُٹھ بیٹھا تھا، واپس بستر پر ڈھے گیا اَور سرہانے پہ سر رکھ کر کھلی کھلی آنکھوں سے چھت کو دیکھنے لگا۔

سرفراز اُٹھ کر غسل خانے چل دیا۔ وہاں پر وہ پانچ سات منٹ تک ٹھہرا جی کی متلی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کو روکتا رہا، پھر واپس آ کر جمیل کے بستر پر بیٹھ گیا۔

"واٹ آر یو گوئنگ ٹو ڈو؟" اُس نے پُوچھا۔

جمیل کے اندر بولنے کی طاقت نہ رہی تھی۔ وہ اُسی طرح لیٹا کھلی آنکھوں سے ایک تار سرفراز کو دیکھتا رہا، جیسے کہہ رہا ہو، "مجھ سے کیا پُوچھتے ہو؟" یا "تمہیں پتا ہے میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔"

جمیل کا جسم آدھا رہ چکا تھا۔ اُس کا چہرہ بے رنگ تھا اور نتھنوں کے گِرد کی جلد میں نیلاہٹ آ گئی تھی۔ اُس کے پیٹ کی خرابی قابو میں نہ آ رہی تھی۔ خُون ضائع ہوتا جا رہا تھا۔ اُسے مستقل خُون دیا جا رہا تھا۔ سرفراز نے آنکھیں چرا لیں۔

اِس کاروائی کے عقب میں جو مقصد کار فرما تھا اُس کے ساتھ سرفراز کا کوئی تنازعہ نہ تھا۔ مگر اُس سے کیا فرق پڑتا تھا؟

اعجاز اپنے کام سے فارغ ہو کر رات کو گھر پہنچا تو جہانگیر کا منشی بیٹھا تھا۔

"میں شہر میں بھی آپ کو ڈھونڈتا آیا ہوں،" منشی نے کہا۔

"آج میں دفتر میں نہیں بیٹھا،" اعجاز نے جواب دیا۔ "اِدھر اُدھر کام کرتا پھرا ہُوں۔ کیوں، کیا معاملہ ہے؟"

"ملک صاب نے یاد کیا ہے۔"

"خیر تو ہے؟"

"جی اللہ جانے،" منشی نے بات ٹالتے ہُوئے کہا۔ "آپ چل کر پتا کر لیں۔"

"ٹھیک ہے،" اعجاز نے کہا۔ "صبح شہر جاتے ہُوئے اُدھر سے ہوتا جاؤں گا۔"

"جی ملک صاحب نے کہا تھا جس وقت بھی ملیں ساتھ لے کر آنا۔ ضروری کام ہے۔"

اعجاز منشی کو گہری نظر سے دیکھتا اور سوچتا رہا پھر بولا، "اچھا۔ روٹی کھائی ہے؟"

"نہیں جی۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کچھ پیٹ پوجا کر لیں، پھر چلتے ہیں۔"

اعجاز اندر جا کر سکینہ کے پاس بیٹھ گیا۔ "میں سارے دِن کا تھکا ہوا ہوں،" اس نے شکایت کی۔ "اب جہانگیر نے بلا بھیجا ہے۔"

"کچھ خبر بھی ہے کیا ہو گیا ہے؟" سکینہ نے کہا۔

"نہیں۔ کیا ہوا ہے؟"

"بندہ مارا گیا ہے۔"

"ہیں؟" اعجاز گویا جاگ اُٹھا۔ "کہاں پر؟"

"جھنگیر کی زمین پر۔"

"کس کے ہاتھ سے؟ کیسے؟"

"کچھ پتا نہیں۔ افواہیں ہیں۔ کوئی کہتا ہے جھنگیر سے قتل ہوا ہے، کوئی کہتا ہے اُس کے لڑکے سے۔"

"لڑکے سے؟" اعجاز نے دُہرا کر پُوچھا، "عالمگیر سے؟ وہ تو شریف سا لڑکا ہے۔ کالج سٹوڈنٹ ہے۔"

"کہتے ہیں لڑکی کا معاملہ تھا۔"

اعجاز کے چہرے پہ تشویش کے آثار پیدا ہُوئے۔ "اچھا منشی کو روٹی تو بھیجو۔" اُس نے کہا، "اَور مجھے بھی دو۔ میں ذرا نہا لوں۔"

رات آدھی کے قریب گزر چکی تھی، مگر مَلک جہانگیر اَپنے ڈیرے پہ بیٹھا تھا۔ اعجاز اُسے ایک نظر دیکھ کر چونک پڑا۔ وہ اَپنی عمر سے دس سال بوڑھا دکھائی دے رہا تھا۔ اُس کے پاس دو آدمی بیٹھے تھے۔ ڈیرے کے احاطے میں آٹھ دس لوگ چارپائیوں پہ بیٹھے خاموشی سے حقہ گڑگڑا رہے تھے۔ جہانگیر نے بیٹھے بیٹھے، مُسکرائے بغیر ہاتھ آگے بڑھا دیا۔

"کیا معاملہ ہے بھائی۔" اعجاز نے فکرمندی سے جہانگیر کے قریب بیٹھتے ہوئے پُوچھا۔

"معاملہ کیا ہو گا اعجاز۔ ایک حادثہ ہو گیا ہے۔ بات کا بتنگڑ بن گیا ہے۔"

"کچھ تفصیل تو بتاؤ۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک آدمی کمرے میں داخل ہوا۔

"کیوں کامُوں،" جہانگیر نے بیتابی سے پُوچھا۔ "کوئی اطلاع آئی؟"

"بندہ آگیا ہے مَلک جی۔ نُورا ابھی پہنچ جائے گا۔"

"سور کے تخم، ہزار دفعہ کہہ کے بھیجا تھا کہ اُسے ساتھ لے کر آؤ۔"

"ملک جی، فوتگی کا ماملہ تھا۔ نُورے نے کہا جیسے ہی مردے کو قبر میں اُتارتے ہیں، وہ چل پڑے گا۔"

جہانگیر نے مایوسی کے عالم میں ماتھے پر ہاتھ مارا۔ "اوَے تم لوگ میری نِیّوں میں بیٹھ جاؤ گے۔ چل دُور ہو جا۔ نُورا ابھی نہ پہنچا تو یاد رکھ، تیری خیر نہیں۔"

کامُوں پچھلے پاؤں کمرے سے نکل گیا۔ جہانگیر اعجاز کی جانب متوجہ ہوا۔

"قِصّہ کیا ہوا تھا بھائی جہانگیر،" اعجاز نے پوچھا۔

"یار قصہ کیا ہو گا۔ یہ شخص ہمیشہ سے تنگ کر رہا تھا۔ کبھی حصے پر جھگڑا کھڑا کر دیتا، کبھی رقم اُدھار لے کر واپس نہ کرتا۔ کبھی ونگار سے اِنکار کر دیتا۔ اِس کا باپ ساری عمر ہمارے پاس رہا، کبھی اُونچی بات نہیں کی۔ یہ لڑکا شُروع سے ہی سَر نکالتا ہوا تھا۔ باپ دادا کے وقت کے آدمی کو اُٹھانے کو بھی جی نہیں کرتا، ورنہ میں نے کبھی کا اُٹھا دیا ہوتا۔ کیا پتا تھا یہ مصیبت آئے گی۔"

"وقوعہ کیسے ہوا؟" اعجاز نے پُوچھا۔

جہانگیر ساتھ بیٹھے دو نوجوانوں پر نظر پھینک کر اعجاز سے بولا، "اپنے گھر کے بندے ہیں۔ یہ اوکاڑے والے چاچے کا داماد ہے، فوڈ کے محکمے میں افسر ہے ماشاء اللہ۔ اَور یہ اس کا چھوٹا بھائی ہے۔ اِن سے کوئی بات چھپی ہُوئی نہیں۔ وقوعے کا قصہ یہ ہے اعجاز کہ عالمگیر کو تم جانتے ہی ہو۔ تمہارے ہاتھوں میں پلا ہے۔ میں نے اِس کی پرورش بڑے دھیان سے کی ہے کالج میں پڑھتا ہے، ہوسٹل میں رہتا ہے۔ کہتا تھا کہ موٹر سائیکل لے دو، مَیں نے کہاں ناں بھئی، پہلے فرسٹ دویژن میں بی۔اے کر، پھر لے کر دوں گا۔ میرے دِل میں خیال تھا کہ کہیں اس کے دِماغ میں فتور نہ آ جائے۔ شریف النفس بچّہ ہے۔ چھٹیوں پر آیا ہے۔ بیٹھے بیٹھے اُکتا جاتا ہے تو زیادہ سے زیادہ میری ایک بندوق اُٹھا کر گھگیاں مارنے چلا جاتا ہے۔ آج شائد مشتاکے کھگڑے کے گھروں کی طرف نِکل گیا۔ اُس کے بعد مجھے کچھ پتا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں کیا ہوا۔ دیکھنے والوں کا کہنا ہے لڑکے نے پرندے پر فیر کیا تو مشتاکا کھگڑ نِکل کر گالیاں دینے لگ پڑا کہ تو نے میرے گھر پر فیر کیوں کیا ہے۔ لڑکے کی یہ خصلت نہیں کہ کسی کو جان بوجھ کر نقصان پہنچائے۔ آخر میرا بچّہ ہے، کیا میں اُس کی خصلت نہیں جانتا؟ مجُھے علم ہے کہ اُس نے ڈرانے کے لئے بندوق سیدھی کی ہوگی۔ بدبخت کھگڑ کی آئی ہُوئی تھی، اُسے لگ گئی۔"

اعجاز دو ایک منٹ خاموش بیٹھا سوچتا رہا۔ پِھر بولا۔ "پکی بات ہے کہ اَور کوئی قصہ بیچ میں نہیں تھا؟"

"اَور کیا قصہ ہو گا اعجاز۔ میری بات پر تجُھے اعتبار نہیں؟ اَیسے تو تم جانتے ہو،" جہانگیر نے اَپنائیت سے اعجاز کی کلائی پر ہاتھ رکھ کر کہا، "دوست دشمن سب ساتھ ساتھ ہی ہوتے ہیں۔ اَیسا واقعہ ہو جائے تو لوگ طرح طرح کی باتیں بناتے ہیں۔ مگر یہ سب افوائیں ہیں۔ سمجھ گئے ناء؟ سب افوائیں ہیں۔"

"عالمگیر اب کہاں ہے؟" اعجاز نے پُوچھا۔

"اُس کو میں نے فرنٹیئر کی طرف نکال دیا ہے۔ معاملہ درست ہو جائے تو بلالوں گا۔"

"اب کیا کر رہے ہو؟"

"ایک میرا وفادار ہے، نُورا مصلی،" جہانگیر نے کہا۔ "اُس کا اقرار اَور گرفتاری پیش کر دیتے ہیں۔ پولیس کو اطلاع ہو گئی ہے۔ دو سپاہی اِدھر بیٹھے ہیں۔ ڈی۔ایس۔پی۔ کی طرف سے پیغام آیا ہے کہ جو انتظام کرنا ہے کرلو، کل صبح وہ خُود پہنچے گا۔"

"میرے لائق کیا کام ہے؟" کچھ دیر بعد اعجاز نے پُوچھا۔

"تو نے جو کرنا تھا کر لیا میرے بھائی۔ اُس کمین کو جتا دیا۔ اب وہ ایم۔پی۔اے بنا پھرتا ہے۔ دیکھیں گے جِس دِن اُسے کرسی ملے گی۔ مگر خیر، کوئی بات نہیں، دونوں کا معاملہ تھا، اِس کھیل میں ہار جیت برابر ہے، کوئی ہارتا ہے، کوئی جیتتا ہے۔ اِس بار نہیں تو اگلی بار سہی۔ مگر یہ تو تیرے گھر کا معاملہ ہے۔"

"بالکل ہے بھائی جہانگیر۔ مگر میں سمجھا نہیں۔"

"وہ گجر کمین کھگڑوں کی طرف داری کر رہا ہے۔ گواہیاں تیار کروا رہا ہے۔ کہتا پھر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رہا ہے۔ جہانگیر کے گھر سے کوئی نہ کوئی پھانسی چڑھے گا۔"

"اچھا۔۔۔۔؟" اعجاز ایسے بولا جیسے حیرت میں بھی ہو اَور سوچ میں بھی۔

"جا کر اُسے کہہ دے اعجاز، کہ جہانگیر کے گھر سے کوئی پھانسی لگا تو کھگڑ کی موت پر نہیں، گجر کے قتل پر لگے گا۔ یہ میرا پیغام ہے۔"

"ناں ناں، اَیسی کوئی بات نہیں۔ میں جا کر اُس سے ملتا ہُوں۔ اگر وہ باز نہ آیا تو پھر میں اُس کے سامنے کھڑا ہوں گا۔ بھائی جہانگیر، یہ تمہارا نہیں، میرا معاملہ ہے۔"

"اب یہ کام تمہارے ذمے ہے اعجاز۔"

"بالکل ہے۔" اعجاز نے کہا۔ "سو فیصدی ہے۔"

نورے مصلی کا رنگ کوئلے کی مانند سیاہ، لمبی لمبی کالی مونچھیں، اَور قد چھ فٹ سے اُوپر تھا۔ اُس کی عمر پینتیس کے لگ بھگ تھی مگر آنکھیں بڑی بڑی اَور بچوں کی طرح صاف اَور روشن تھیں۔ اُس نے مُنہ سے کچھ بولے بغیر ہاتھ ماتھے سے چھُو کر سرسری سا سلام کیا اَور آ کر اطمینان سے جہانگیر کے سامنے فرش پر بیٹھ گیا، جیسے اُس کے لئے دُنیا کے معاملات طے ہو چکے ہوں اَور اب اُسے اُن سے کوئی سروکار نہ ہو۔

"نورے۔"

"جی سرکار۔"

"تو نے کچھ سنا؟"

"کان میں آواز تو پڑی ہے۔"

"اِقرار اَور گرفتاری دینی ہے۔"

"جو حکم سرکار۔"

"کل سویرے ڈی۔ایس۔پی صاحب آئیں گے۔ اُن کے سامنے بیان ہوں گے۔"

"تیار ہُوں۔" نُورے کے راضی بہ رضا چہرے پہ کوئی تاثر نہ تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تجھے پھاہ نہیں لگنے دوں گا۔ عدالت میں دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہو جائے گا۔ جب تو نے جرم ہی نہیں کیا تو اِقرار سے کیا ہوتا ہے۔ مقدمہ بیٹھ جائے گا۔"

"پھاہ کا ڈر نہیں سرکار۔ یہ سر اُوپر والے کی اَور آپ کی امانت ہے۔ گیا تو گیا۔ بس ایک دو باتوں کا فکر ہے۔"

"بتا۔"

"میرے دروازے پر بھینس باندھ دو۔"

"باندھی گئی۔"

"لڑکی کا بیاہ پہلے بھی سرکار نے کرنا تھا، اب بھی سرکار نے کرنا ہے۔"

"درست۔"

"سال کے سال دانے گھر میں آجائیں۔"

"ٹھیک۔"

"میرا بچّہ سکُول جائے نہ جائے، اُس کا روزگار آپ کے ذمے۔"

"منظور۔"

"میں آگیا تو آگیا۔ نہ آیا تو معراج بی بی کو نکاح کی آزادی ہے۔"

"تو کہیں بھی نہیں جاتا نُورے۔ کیا تیرا خیال ہے کہ میں تجھے جانے دوں گا۔ یہ کام میرے ذمے پر چھوڑ دے۔ اللہ پر بھروسہ کر۔"

"میں گھر سے ہو آؤں۔" نُورا اُٹھتے ہُوئے بولا۔

"تو آج رات گھر پر ہی رہ،" جہانگیر نے کہا۔ "صبح سویرے آجانا۔"

"ٹھیک ہے سرکار۔"

نورے نے سر پہ پٹکا سیدھا کیا، چادر اُٹھا کر کندھے پہ رکھی، اَور کوئی بات کئے بغیر پلٹ کر اُسی بے اعتنائی سے چلتا ہوا کمرے سے نِکل گیا۔ کچھ دیر کے بعد اعجاز بھی اُٹھ کھڑا ہوا۔

"صبح سویرے سراج کو جا کے پکڑوں گا۔ حوصلہ رکھ، بھائی جہانگیر۔"

"اللہ حافظ،" جہانگیر نے مدہم سی آواز میں کہا۔ اُس کا چہرہ دیکھتے ہی دیکھتے سکڑتا جا رہا تھا۔